

قرآن کے "موضوعاتی" تراجم کے سلسلے کی قسط نمبر [۳۵]

Thematic Translation Series Installment No.35

انسان کی تخلیقی اور موروٹی فطرت۔ قرآن کی روشنی میں کتابِ حقیقت کا سبق

The Nature Man is Born with – Lesson from the Book of Self in the Light of Quran

قرآن حکیم کی موجودہ اردو تفاسیر و تراجم کو اگر ثواب کمانے کی عمومی مروجہ روشن کے مطابق صرف پڑھ کر گذر جانے کی بجائے واقعی سمجھنے کی نظر سے دیکھا جائے تو بہت سے مقامات پر آپ کو تضادات کا سامنا کرنے پڑے گا اور آپ خود کو ایک بڑے مختصے میں گرفتار پائیں گے کہ کیا درست مانا جائے اور کیا نہیں۔ بہت سے بیانات معاشرتی تناظر میں اپنی جگہ فٹ نہیں بیٹھیں گے۔ کئی مقامات پر علوم کی اکثر اصناف کی روشنی میں کھلا تضاد نظر آیا گا۔ بہت ساموا دیسا بھی ہو گا کہ قوانین فطرت اور انسانی نفس کے پیمانے پر آپ کے سر پر سے گذر جائیں گا۔ اور بہت سی دیومالائی فسوس کاری ایسی بھی ہو گی کہ عقل، علم اور انسانی تجربات کی ضد قرار پائے گی اور صرف رعب اور احترام آپ کو چپ رہنے پر مجبور کر دے گا۔ یہی صورت حال آپ عربی تفاسیر کے ہاں بھی پائیں گے جہاں سے ہم اپنی زبان میں مواد کی منتقلی کرتے ہیں۔ بلکہ حقیقتِ حال یوں ہے کہ ہمارے اردو تراجم قرآن کی عبارات کی راست تفہیم سے نہیں بلکہ انہی عربی تفاسیر کی اخترائی کے تحت منقولی منطبق اور انہی تقدید کے انداز پر تیار کیے جاتے ہیں۔

قرآنی پیغام کی ہماری زبان میں منتقلی کے مروجہ طریق کار میں پایا جانے والا یہ بنیادی سقّم ہمارا "مقدس ورش" ہے۔ اس مقدس ورش کے تسلسل اور دوام کا ذمہ دار اور نگہبان ہمارا ملائیت کا روز افزول طاقتور ہوتا پسمندہ اور قتشد گروہ ہے، جس کی معیشت اور انتدار ہماری ذہنی ارتقاء کی انتہائی پسمندہ صورتِ حال کو جوں کا توں برقرار رکھنے پر محصر ہے۔ اس لیے کہ اسلامی معاشروں پر 1400 سال سے قابض چلے آرہے عیاش، سرمایہ دار، ڈکٹیٹر حکمران یہی چاہتے ہیں۔ اور "ملائیت مافیا" انہی گناہ گار اور مجرم قابضین کے ہاتھوں میں موجود سب سے موثر ہتھیار ہے۔ لیکن

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینیوں میں مجھے ہے حکم اذال لالہ الا اللہ

اللہ کی کتاب صرف پڑھ کر گذر جانے کے لیے نہیں بلکہ اس کی ہدایات سمجھنے اور عمل پیرا ہونے کے لیے نازل کی گئی ہیں۔ صرف صحیح صادق کے وقت تلاوت کر لینے سے تفہیم کا عمل پیدا نہیں ہوتا جب کہ قرآنی اصطلاح "قرآن الفجر" کا ایک گمراہ گن ترجمہ کر کے ہمیں بتایا جاتا

ہے کہ صحی کے وقت قرآن پڑھئے سے فم و ادرارک میں اضافہ ہوتا ہے۔ باترجمہ پڑھنے والے بھی صرف رواتی تراجم کی بے سروپا عبارت پڑھ کر گذر جاتے ہیں۔ تفہیم ہی پیدا نہ ہو تو عمل کیے درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ یہ کتاب تدبر، تفکر اور تعقل کا مطالبہ کرتی ہے کیونکہ یہ بزبان خود ایک لازمی اور داعی انسانی ضابطہ کردار ہے۔

ہمارے درج بالام موضوع کے ضمن میں جوبات آپ کی توجہ کے لیے سامنے لاٹی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن خود کو شکوک، تضادات اور ابہامات سے پاک کتاب قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے سوا کسی بھی دوسرے کی جانب سے آیا ہو تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔ یعنی اس کے ارشاداتِ عالیہ میں کہیں بھی تضاد یا اختلاف نہیں پایا جاسکتا۔ لیکن سوال کیا گیا کہ کہ انسان کی فطرت کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں قرآن کے تراجم و تفاسیر میں متناقض بیانات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اور ہم یہ سوچتے ہی رہ جاتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے۔ اور ایسے مقامات پر ایسا کیا اسرار پوشیدہ ہے جو ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔

تو آئیے دیکھیں کہ قرآنِ غالص انسانی فطرت اور اس اشرف الخلوقات کی تخلیق و تشکیل کے بارے میں جو حقائق بیان کرتا ہے، جو ہمارے تراجم و تفاسیر کی رُوسے باہم متناقض و مختلف نظر آتے ہیں، وہ کیسے انہائی ربط و تسلسل کے ساتھ نہ صرف باہم منطبق ہوتے ہیں بلکہ کیسی حکمت عالیہ اور حقیقتِ ابدی پر مبنی ہیں۔ اس اکشافِ حقیقت کے لیے ہمیں،،،، بیت انسانی کی ترکیب کے عناصر،،، یعنی فلسفہ ہستی،،، یعنی اسرارِ ذات انسانی،،،، کے وسیع علم پر قدرے روشنی ڈالنی ہو گی۔ اس عاجز کو امید ہے کہ حقیقی طالبانِ علم اس سفر میں اُس کا پورا پورا ساتھ دیں گے۔

انسان کے کردار کی کچیاں اور کمزوریاں بزبانِ قرآن:

96/7: كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِيَطْغَىٰ (۱) أَنْ رَأَهُ اسْتَغْنَىٰ (۲) هرگز نہیں۔ انسان تو سرکشی کرتا ہے، اس لیے کہ وہ خود کو بے نیاز / خود مختار دیکھتا ہے۔

28/ وَخَلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (۲۸)۔ لیکن انسان کو کچھ کمزوریوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔

34/14: إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ۔ بیکن انسان اندرها اور ناخکر اے۔

4/16: هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ۔ بہت کھلا ہوا جھگڑا لو ہے۔

11/17: وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا۔ انسان جلد بازو واقع ہوا ہے۔ 17

100/ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَثُورًا۔ اور انسان نگل دل واقع ہوا ہے۔ 18

54: وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا . انسان اکثر معاملات میں جھٹ اور جھگڑا کرتا ہے۔

72/33: إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهْوَلًا . پیشک وہ ناپختہ اور لا علیٰ کی حالت میں تھا۔

18/70: وَجَمَعَ فَأَوْعَى / جمع کرتا ہے پھر اسے گردہ باندھ کر رکھ لیتا ہے۔ 70/19: إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلُقَ هَلْوَعًا . انسان تمہر دلا پیدا کیا گیا ہے۔

20/89: وَتَحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمَّا . چاہتا ہے دنیا بھر کی دولت سمت کر اس کے پاس آجائے۔

8/100: وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ . اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح / شدت سے مبتلا ہے۔

لیکن یہ کیا کہ دوسرا جانب اللہ تعالیٰ اس کے برعکس فرماتا ہے کہ:

"فَطْرَةُ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" . ---- یعنی -----

وہ اللہ ہی کی فطرت، مزاج، نیچر ہے جس پر اُس نے انسان کی تخلیق کی ہے!!!!

تو کیا اوپر بیان کی ہوئی انسان کی کمزوریاں، اللہ کے مزاج کی کمزوریاں ہیں؟؟؟ نعوذ باللہ۔۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟۔۔۔ تو ان کمزوریوں کا مابخذ یا مخرج کیا ہے، اور اللہ کی وہ "فطرت" کیا ہے جو انسان کے اندر و دیعت کی گئی ہے؟ آگے آنے والی سطور میں ہم اس کا شانی و کافی جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

پہلے ہم درج بالا عیوب کے اضاد میں موجود انسانی صفات کی حامل قرآنی آیات کو سامنے لے آتے ہیں۔

انسان کی تنشیل و تخلیق کی تعریف میں آیات:

4/95: لَفَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَفْوِيمٍ . ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔

70/17: وَلَقَدْ كَرَمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيَّابَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا . اور ہم نے بنی آدم کو فیلیت اور بزرگی عطا کی، انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں، انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی کثیر مخلوقات پر فویت بخشی۔

14/23: ثم انشانه خلق آخر . پھر ہم نے اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔

9/32: ثم سواه و نفح فيه من روحہ - پھر اس نے اسے نک سک سے درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی۔

اور اب لامحہ ہم سمجھی کے ذہن میں یہ سوال ابھر کر سامنے آ جاتا ہے کہ آخر یہ تضاد کیوں؟

--- انسان کو خود اپنی فطرت پر بنایا،

--- انسان کو احسن تقویم پر تخلیق کیا،

--- انسان کو عزت و تکریم کا حامل بنایا، تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی، خشکی و تری میں سوار یاں عطا کیں،

--- عام جاندار سے علیحدہ ایک چیزے دیگر بنایا اور پھر،،،، سب سے بڑا مقام یہ دیا کہ،،،،،

--- اُس میں خود اپنی "روح" پھونک دی !!!

اس کے بعد پھر اس میں یہ تمام برائیاں کہاں سے آئیں جن کا بیان اوپر مختلف آیات کے ذریعے کیا گیا؟؟؟ ان تضادات کا کیا قرین عقل اور علمی جواز ہے؟

انسان کے باطن میں دو مختلف عناصر

درachiل آیات ۱۱-۷ / ۹۱ میں اللہ تعالیٰ نے اس الجھن کو نہایت چاکدستی سے یہ فرمایا کہ دور کر دیا ہے کہ ہم نے نفس انسانی کو دو مختلف و متفاہ عناصر کا مجموعہ بنایا کہ تخلیق کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:-

وَنَفْسٌ وَمَا سَوَّا هَا (۹۱) فَالْهَمَّهَا فُجُورَهَا وَنَقْوَاهَا (۹۲) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَاهَا (۹۳) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا

” ” اور انسانی نفس اور جس انداز سے اس کی تشکیل کی گئی ہے وہ اس طرح ہے کہ ان میں ذات کے انتشار اور تحریب کا عنصر اور پرہیزگاری کے ذریعے تحفظ کا عنصر دونوں ودیعت کر دیے گئے ہیں۔ پس جس نے ذات کو تحفظ دے کر نشوونما دے لی وہ کامیاب ہوا، اور جس نے اس کی صلاحیتوں کو کچل دیا وہ برباد ہوا ” ”۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں عناصر میں سے ایک انسان کا مادی حیوانی پکیہ ہے جو حیوانی جبلتوں کا تابع رہتا ہے۔ دوسرا اس کا غیر مادی شعوری پکیہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی روح یعنی صفاتِ عالیہ کا مخزن ہے اور اس لیے سیرت و کردار کی اعلیٰ ترین اقدار کا حامل ہے۔ اوپر بیان کی گئی تمام برائیاں اور نقاصل انسان

کے حیوانی وجود سے تعلق رکھتے ہیں اور بے شک جس انسان میں اس کی حیوانی خواہشات غالب رہتی ہیں وہ ان تمام نفاذیں کا مجموعہ ہی ہو اکرتا ہے۔ علاوہ ازیں اوپر بیان کی گئی تمام صفات انسان کے اعلیٰ شعوری وجود سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ وہی ہیں جو انسان کی موت کے بعد اس کے غیر مادی وجود کے ساتھ آخری دورِ حیات، یعنی آخرت میں اس کے ساتھ دوبارہ زندہ ہوں گی۔ جو انسان اپنے شعوری وجود کی اقدار کو جتنا زیادہ زندہ رکھے گا اور انہیں مادی وجود کی جبلتوں پر غالب کر لے گا، وہ آخرت میں کامیابی اور سرخوبی کا مستحق ہو گا، کیونکہ اس مادی زندگی میں ایسے طرزِ عمل کو اختیار کر لینے سے اس کی اندر وہی ذات کی تکمیل ہوتی چلی جائیگی۔

دراصل انسان ایک حیوانی وجود اور ایک شعوری ذات، یعنی دو عناصر کا ایک پُر حکمت امترانج ہے۔ حیوانی وجود جو تمام حیوانی جبلتوں کا تابع ہے، دماغ سے حیات کے ذریعے کنٹرول ہوتا ہے۔ جب کہ اس کی شعوری ذات اُس شعورِ مطلق کی اپنی خصوصیات کا ظہار ہے جو اس کی ودیعت کردہ تمام صفات و اقدار کا خزینہ ہے، ایک غیر مادی وجود رکھتا ہے اور اپنے ذہنی یا شعوری جسم میں رہتا ہے جو غیر مری ہے۔ اسے ہی عرفِ عام میں روح، یا روحانی زندگی کہا جاتا ہے۔

درحقیقت انسان کی تخلیق کا مرحلہ اپنی اہمیت میں تخلیق کے تمام موجود مرافق پر فوقيت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ انسان کی تخلیق دراصل تخلیق کی دو انتہاؤں کا مرحلہ ہے۔ یعنی مادی زندگی کی تخلیق کا ایک انتہائی مرحلہ، جو ٹھوس مادی اور مری کیفیت رکھتا ہے، انسان کے حیوانی وجود تک پہنچ کر اپنی انتہاء کو حاصل کر لیتا ہے۔ اور شعوری مرافق تخلیق [degrees of Consciousness] کا اب تک کا انتہائی مرحلہ بھی انسان کے اندر موجود شعورِ ذات، یا خود آگاہی [self-consciousness] کے احساس کی صورت میں اپنی پچشتی اور بلوغت کو پہنچ جاتا ہے کیونکہ خود آگہی دراصل اپنے خالق کی آگہی ہوتی ہے۔ یہ وہ اہم ترین مرحلہ ہے جہاں انسان کے مادی اور روحانی عناصر کا باہم مسلسل تکڑا دیا جاتا ہے، اور اس کشمکش کو قائم رکھنے کے لیے ہی مادی اور روحانی دونوں کیفیات ایک عظیم حکمت کے تحت ایک مخصوص سطح پر یکجا کر دی گئی ہیں۔ یہ وہ کشمکش ہے جو انسانی زندگی کو ایک امتحان گاہ کی شکل دیتی ہے، جس کے ذریعے شعورِ ذات کا ارتقاء بنیادی مقصد ہے تاکہ فالن مرحلے میں ارتقاء یافتہ ذات میں مزید ناقابل یقین ارتقاء کے شعوری یا روحانی سفر پر روانہ ہو جائیں اور بالآخر اپنے خالق کے معین کر دے تک تخلیق کو پورا کرتے ہوئے سامنے لے آئیں۔

یاد رہے کہ اسی مرحلے میں مادی وجود طبیعی موت کے ذریعے بذریعہ نسل انسانی سے ختم کر دیا جاتا ہے اور خالص غیر مادی اور غیر مری شعوری ذات آئندہ کے آخری مرحلہ حیات میں اپنی منتقلی اور نمود کا انتظار کرتی ہے۔ آئیوالہ مرحلہ وہ چھٹا مرحلہ تخلیق ہو گا جہاں انسان اپنی بیست، اوصاف اور صلاحیتوں میں خود اپنے خالق کے قریب تر پہنچ جائیگا، تنجیمِ کائنات کا کارنامہ انجام دے گا اور خالق کے آئینڈیل کی صورت میں خود کو باز کرتا ہو اپنی تخلیق کے مقصد اور نصبِ العین کو پورا کرے گا۔ لیکن محدودے چند انسان ہوں گے جو اس منصب و مقام کو حاصل کر سکیں گے۔

فلہذ انسان کے وہ تمام عیوب جو اوپر گنوائے گئے وہ اس کے مادی حیوانی وجود کی خصوصیات ہیں جن کا بالکل درست تعین کیا گیا ہے۔ اور بعد ازاں وہ تمام محاسن جو اس کے حق میں بیان کیے گئے وہ اس کی حقیقی زندگی، یعنی اس کی شعوری غیر مادی ذات کی خصوصیات ہیں جو اُسی طرح بالکل درستگی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ یہاں کوئی ابہام یا تضاد نہیں پایا جاتا۔ یہ کتاب ہستی ہے، یعنی انسانی ذات کی تشكیل و ماہیت کا علم۔ کتاب ہستی کا بغور مطالعہ کیے بغیر قرآن کو کما حقہ سمجھا نہیں جاسکتا۔ اسی لیے ہمارے وہ نام نہاد سکالرز حضرات جو مذہبی پیشوائیت کے ادارے سے تعلق رکھتے ہیں اور قرآن کی تفہیم کے لیے حدیث و فقہ کی بیساکھیاں استعمال کرتے ہیں اس میں تضادات یا متعارضات کے علاوہ کچھ بھی قرین عقل دریافت نہیں کر سکتے، اور پھر یہی مبہم مواد تبلیغ کے نام پر ایک بہت زیادہ داشتمانہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کی جهارت کرتے ہیں۔ یہ ہمارے وہی نادان روایتی سکالرز ہیں جن کی کم علمی، محدود مطالعہ اور پست ذہنی سطح کے باعث آج دین حق ایک انتہائی سائنسیک دنیا کے ہاتھوں مصکنہ آرائی، تمثیر اور استرداد کا شکار ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کے فہم میں دوسری انتہائی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ کتاب تخلیق کے علم پر بھی مکمل دسترس حاصل ہو۔ کتاب ہستی یعنی اسرارِ ذات ،،، اور کتاب تخلیق، یعنی خالق کے پورے تخلیقی پلان کا علم جدید سائنس اور صاحائف کی روشنی میں حاصل کیے بغیر قرآن نہیں کامیڈ ان ایک آسان، ہموار اور کھلا ہوا راستہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اب سوال یہ سامنے آتا ہے کہ مرحلہ تخلیق کی موجودہ انسانی صورت حال میں ایک ہی مخلوق کے اندر دو مختلف اور متفاہد ذاتیں، یعنی مادی حیوانی ذات اور غیر مادی و غیر مرئی شعوری ذات، اپنی بالغ و خود مختار کیفیت میں کیوں اکٹھا کی گئیں اور ان کے پیچھے پوشیدہ مقصد کیا تھا اور کس طرح بیان کیا جاسکتا ہے؟ یہ تناقض اور تضاد جو انسان کے اندر ایک دائمی کشمکش کا موجب ہے آخر کیا حکمت رکھتا ہے؟

دنیا انسانی زندگی کے لیے ایک امتحان گاہ:

اگر آپ کے سامنے خالق کا پورا تخلیقی پلان موجود ہے، جو اُسی کے فرمان کے مطابق چھ مرافق پر مشتمل ہے، تو جواب نہایت آسان ہے۔ جیسا کہ اوپر کی سطور میں اشارہ دے دیا گیا ہے، صاحائف میں بیان کردہ الہامی فرمودات کے مطابق دنیاوی زندگی ایک امتحان گاہ ہے۔ اور امتحان وہیں ہو سکتا ہے جہاں مختلف اور متفاہد قوتیں سامنے لاتے ہوئے ایک امتحانی کیفیت پیدا کی جائے اور اس امتحان میں ڈال کر انسان کی منفی اور مثبت صلاحیتوں اور مختلف النوع ترثیبات کے مقابلے میں نفس شعوری کی اصلاحی کوششوں کی کامیابی یا ناکامی کا جائزہ لیا جائے۔ اور یہ دیکھا جائے کہ آیا شعوری اقدار اس کے عمومی کردار پر غلبہ پالیتی ہیں، یا حیوانی جلتیں زور مارتی ہوئی، اعلیٰ شعوری اقدار کو تکشیت دے دیتی ہیں۔ نیز ایک کڑے احتساب کے بعد، تمام عیوب و محاسن کو ایک میزان کی کیفیت میں تولا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کون سا پڑا اہل کا ہے اور کون سا بھاری۔ اور پھر ان میانگی کی روشنی میں حیات آخرت میں انسان کے درجے کا تعین خالص اُس کے اپنے اعمال پر، جو اُس نے کامل خود مختاری کے ساتھ انجام دیے ہوں، کیا جاسکے۔

ذیل میں دیکھیے کہ ہمارا خالق و مالک اس کشکش سے بھر پور امتحان گاہ کی تقدیق و تثبیت لفظ "باء" کے مختلف مشتقات کے استعمال کے ساتھ کن شاندار الفاظ اور کس اعلیٰ ادبی پیرایے میں فرماتا ہے۔ وہ واضح طور پر فرماتا ہے کہ حیات و موت کا دائرہ یا گردش ڈیزائن ہی اس لیے کی گئی ہے کہ تمہیں ابلاوں میں ڈال کر تمہاری ارتقاء ذات کو مہیز کیا جائے تاکہ تم حیات آخرت میں بلند درجات حاصل کر سکو۔ اس تھیوری کے ثبوت کے لیے چند الہامی نصوص پیشی خدمت ہیں:-

[٦٧/٢] **الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوْكُمْ أَيْمَنْ أَحْسَنْ عَمَّا**

"وہی تو ہے جس نے یہ زندگی، یعنی موت و حیات کا یہ سائیکل اس لیے تخلیق فرمایا کہ تم میں ہر ایک کو آزمائشوں سے گزارتے ہوئے، حسین اعمال کے ذریعے اپنی نشوونمائے ذات کے موقع فراہم کیے جائیں۔"

(١٥٥) **وَلَنَبْلُوْكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۚ وَيَشَرِّ الصَّابِرِينَ**

اور ہم تمہیں مختلف امور میں ضرور اس طرح آزمائیں گے کہ تمہیں خوف، بھوک لاحق کر دیں اور مال و متنازع، جانوں اور کوششوں کے موقع تباہج میں کمی کا مشکار کر دیں۔ اور اس صورت حال میں استقامت دکھانے والوں کو خوش خبریوں کی نویدی دی جائے۔

٤/٤٨ **وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوْكُمْ فِي مَا آتَيْكُمْ**

اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی قومی وحدت عطا کر دیتا لیکن وہ تمہیں وہ کچھ دیتا ہے کہ جس سے وہ تمہیں آزمائ کر ارتقاء ذات کے موقع دیتا رہے۔

(١٦٥) **وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوْكُمْ فِي مَا آتَيْكُمْ**

اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر با اختیار جانشین بنایا اور تم میں بعض کو بعض پر برتری کے مقابلات پر بلند کیا تاکہ اپنی اس عطا کی بنیاد پر تمہیں ابتلاءوں میں ڈال کر ارتقاء ذات کے موقع عطا کر دے۔

(١٦٣) **كَذَلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُدُونَ**

اور جس طرح کی فاسقانہ روشن وہ اختیار کرتے ہیں اس کے ذریعے بھی ہم ان کی آزمائش کرتے ہیں۔

(٣٥) **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِفَةُ الْمَوْتِ ۚ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ**

ہر نفس نے موت کا زائدہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں نیکی اور بدی کے ساتھ ایک بھٹی سے گزارتے ہوئے ارتقاء ذات کے موقع دیتے ہیں کیونکہ تمہیں ہماری طرف لوٹنا ہے۔

47/31: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ تَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ

اور تمہیں ابتلاوں کے ذریعے ارتقائے ذات کا موقع دیتے ہیں تاکہ ہمیں یہ علم ہو جائے کہ تم میں سے جدوجہد کرنے والے اور استقامت رکھنے والے کون ہیں۔ اور پھر ہم تمہارے حالات کی جانچ کریں۔

یعنی انسان نامی مخلوق اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ آزادی سے متصف فرما کر پیدا کی جس کے ذریعے ایک طرف تو حضرت انسان اشرف تخلیق اور خلیفہ کے درجے پر فائز ہوا، اور دوسرا طرف فکر و عمل و فیصلے میں خود مختار ہو کر پروگرام جبلتوں کا تابعِ مہمل نہ رہا۔ اسی لیے ہم اسے بیک وقت دو انتہاءوں کے درمیان عمل پذیر پاتے ہیں۔ انتہائی شیطنتی اور انتہائی رحمت و موعدت۔

خیر و شر کی جگ دراصل شیطان اور رحمان کی جنگ نہیں بلکہ انہی دو نہ کورہ عناصر کی آپس میں اپنے اپنے غلبے کے لیے جاری جنگ ہے۔ جہاں حیوانی وجود کے طبعی تقاضے غالب آجائیں وہاں شر غالب آجاتا ہے۔ اس کے بر عکس جب شعوری وجود کی اعلیٰ صفات و اقدار غالب آجائیں تو خیر، امن و آشتنی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

دونوں عناصر کو اس ناجائزے ایک "پر حکمت" امتحان یوں کہا کہ یہی تو وہ امتحان ہے جو انسان کو جہدِ مسلسل پر اکساتا ہے اور اسے ارتقائے ذات کے موقع فراہم کر کے اسے آئندہ برتر مرحلہ زندگی کے لیے تیار کرتا ہے۔ یعنی اس مادی دنیا کے آشوب اور طبعی وسائل کی ظالمانہ لوٹ مار کے اندر ہیروں میں جو بھی انسان قومی یا انفرادی طور پر اپنی شعوری ذات کی پرورش کرپاتا ہے اور بدی کی طاقتوں سے بر سر پیکارہ کر روحانی قوت کی افزائش کر لیتا ہے، اس کے لیے اگلے برتر مرحلے میں صعودِ ممکن ہو جاتا ہے۔ انسان کی موجودہ زندگی کا سائیکل اسے یہ موقع دیتا ہے کہ وہ اپنی ذات کی موروثی صفات کی نمود کر سکے۔

آخر کب تک؟

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ آخر یہ جاری کشت و خون کے سلسلے کب تک؟ تو میرے عزیز بھائیو، ابھی انسانی کارروائی کی آبلہ پائی کا اختتامِ ذور تک نظر نہیں آتا۔ انسانی تاریخ اور موجودہ بر سر زمین حقائق یہ بتاتے ہیں کہ ابھی خون کے اور بہت سے دریاپار کرنے ہوں گے۔ یاد کریں کہ جب محکاتی انداز میں بات کی تشرح کرتے ہوئے ہمارے خالق نے ملائکہ کے ساتھ اپنے مکالمہ کو ذیل کے انداز میں پیش کیا تو وہ ذات پاک ہمیں اپنی تخلیقی فارمولے کی کس حقیقت سے روشناس کرنا چاہتا تھا:-

آیت مبارکہ ۲/۳۰ : وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةَ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيلَهُ قَالُوا أَنْجُلُوا فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِلُ
الْإِمَاءَ وَتَحْنُنُ تُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَتَقْدِسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (۳۰)

"اور یاد کرو وہ وقت جب تمہارے پروردگار نے "کا کناتی قتوں" کو بتایا کہ میں زمین پر اپنا اختیار رکھنے والا جانشین پیدا کر رہا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ کیا آپ وہاں ایک اختیار والی ایسی مخلوق پیدا کریں گے جو وہاں فساد پھیلائے گی اور خون بھائے گی۔ جبکہ ہم تو صرف آپ کی حمد کے لیے ہمہ وقت وظائف ادا کرتے ہیں اور آپ کی کبریائی کے کام کرتے ہیں۔ پروردگار نے جواب دیا کہ درحقیقت اس خلیفہ کی تخلیق میں جو حکمت پوشیدہ ہے اس کا تم علم نہیں رکھتے۔ وہ صرف میں ہی جانتا ہوں"۔

یہاں بات بالکل صاف ہو گئی کہ فساد اور خون ریزی تو اس فارمولے کی حقیقت تھی۔ البتہ اس کی حکمت خود خالق ہی کے خمیر پر روشن تھی۔ اسی لیے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ پس ثابت ہوا کہ انسان کی منزل مقصوداً بھی بہت دور، اور بہت سے خون کے دریاؤں کے اُس پار واقع ہے۔ وہ جو شاعر نے کہا کہ:

بانغِ بہشت سے مجھے اذنِ سفر دیا تھا کیوں؟
کار جہاں دراز ہے اب مر انتظار کر۔

تو وہی صورت حال ہمیں درپیش ہے۔ حضرت انسان ابھی اپنی ارتقائی منازل یعنی اپنی شعوری ذات کی تکمیل کے ابتدائی مرحلے سے گذر رہا ہے۔ ابھی اس کے آئندیل نہایت کمتر سطح کی حیثیت کے حامل ہیں۔ یعنی ابھی تو صرف مادی وسائل اور طبیعی زندگی کے عیش، آرام اور فراوانی اس کا مقصود نظر ہے۔ جس کی غاطر وہ فساد پیدا کرتا اور خون بھاتا ہے۔ جب انسان بالآخر صفات باری تعالیٰ کو اپنا آئندیل بنالے گا اور اپنے اندر وہن سے ان صفاتِ عالیہ کی نمود و اظہار کی ابتداء کرے گا تو تجھی یہ دنیا اور انسانی زندگی امن و شانستی کی فصل بہار کا نظارہ کر سکے گی۔ اقبال نے اسی صورت حال کا گہر امشابہ کرتے ہوئے اپنی بصیرتِ قرآنی سے کیا اکٹشافِ حقیقت فرمایا تھا جب کہا کہ:-

عقل ہے بے زمام ابھی، عشق ہے بے مقام ابھی
نقش گرِ اذل تیر نقش ہے ناتمام ابھی

امید و انتہ ہے کہ اس منتشر بیانے میں ایک بہت ہی اہم قضیے پر تحقیق کرتے ہوئے قرآن کے بہت سے مفروضہ تضادات کو الہامی فرمودات کی روشنی میں غلط ثابت کرتے ہوئے دور کر دیا گیا ہے۔ اور پوری توقع کرتا ہوں کہ سمجھ کر پڑھنے والے ان سطور سے اطمینانِ قلب و ذہن کی دولت پالینے میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کریں گے۔